QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

اسد محمد خان کے افسانوں میں متصوفانہ رویوں کا تجزیاتی مطالعہ:
(افسانوی مجموعہ "کھڑکی بھر آسمان" کے تناظر میں)

محمد یاسین شاہ

لیکچرار شعبہ اُردو

اے پی ایس اسکول اینڈ کالج (اقبال) نوشہرہ

ڈاکٹر سید عطاء اللہ شاہ

لیکچرار، شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور

حیدر علی

لیکچرار شعبہ اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج بٹ خیلہ ملاکنڈ

Abstract

Asad Muhammad Khan's creative journey appears as a living portrait of Hindu–Islamic Sufism. Though he follows two distinct paths, his destination remains one. The first is character–building, through which he unveils man's inner world. The second is historical atmosphere, in which he presents past eras so vividly that the reader feels present in that age.Through both paths, he reaches the same centre of love, tolerance and humanity, which has been part of this land's temperament for centuries. His stories are not mere entertainment but spiritual documents. They explain that Sufism is not confined to any sect, but a living experience that leads man from the darkness of self to the light of love.

کلیدی الفاظ: اسد محمد خان کی افسانوی شعریات، فکشن اور تصوف، مادیت پرستی اور رحانیت، روح کی دریافت، قربت الٰہی، نیابت الٰہی، باسودے کی مریم، ترلوچن۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

اسد محمد خان پاکستان کے نامور اردو افسانہ نگار، شاعر، ڈرامانویس اور گیت نگار ہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد ۱۹۵۰ء میں وہ پاکستان آئے اور کچھ عرصہ لاہور رہنے کے بعد مستقل طور پر کراچی میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے سندھ مسلم گورنمنٹ آرٹس اینڈ کامرس کالج کراچی سے تعلیم حاصل کی اور ریڈیو پاکستان و پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے گیت، ڈرامے اور فیچرز لکھے۔ ان کی ادبی شہرت ان کے پہلے مجموعے کھڑکی بھر آسمان (۱۹۸۲ء) سے ہوئی، جس میں شامل افسانے جیسے باسودے کی مریم، مئی دادا اور ترلوچن اردو افسانے کی تاریخ میں یادگار مقام رکھتے ہیں۔ ان کی دیگر اہم تصانیف میں برجِ خموشاں، غصے کی نئی فصل اور دوسری کہانیاں اور تیسرے پہر کی کہانیاں شامل ہیں۔ ان کی کئی کہانیاں انگریزی میں ترجمہ ہو کر The Harvest of Anger and Other Stories کے نام سے شائع ہوئیں۔ اسد محمد خان کو ان کی ادبی خدمات پر متعدد اعزازات سے نوازا گیا، جن میں قومی ادبی ایوارڈ، تمغۂ امتیاز اور کمالِ فن ایوارڈ شامل ہیں۔ وہ جدید اردو افسانے میں اپنے منفرد اسلوب، کردار نگاری اور تاریخی و ثقافتی پس منظر کی عکاسی کے باعث ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

تصوف اسلامی روحانیت کی وہ راہ ہے جو ظاہری عبادات سے آگے بڑھ کر باطنی پاکیزگی، خدا سے براہِ راست تعلق اور انسانی نفس کی تطہیر پر زور دیتی ہے۔ ادب، خاص طور پر شاعری اور نثر، اس روحانی تجربے کو بیان کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ رہا ہے۔ فارسی اور اردو ادب میں تصوف نے نہ صرف موضوعات فراہم کیے بلکہ اسلوب، استعارے اور علامات کو بھی گہرائی بخشی۔ رومی، حافظ، عطار، بیدل اور اردو کے صوفی شعرا جیسے بلھے شاہ، میاں محمد بخش اور خواجہ غلام فرید کی تخلیقات میں عشقِ الٰہی، فنا فی اللہ، وحدت الوجود اور نفس کی جنگ جیسے موضوعات بار بار ابھرتے ہیں۔ ادب تصوف کو صرف نظریاتی سطح پر پیش نہیں کرتا بلکہ اسے انسانی جذبات، تجربات اور روزمرہ زندگی کے تناظر میں زندہ کر دیتا ہے، جس سے قاری کو روحانی بصیرت ملتی ہے۔

ادب اور تصوف کا یہ تعلق محض تاریخی نہیں بلکہ تخلیقی بھی ہے۔ صوفیانہ ادب میں حقیقت کو ظاہری سطح سے ہٹا کر باطنی معنوں میں دیکھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں علامات، رمز اور تلمیحات کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ افسانے اور ناول

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

میں بھی تصوف کے عناصر کرداروں کی باطنی تبدیلی، روحانی جستجو یا اخلاقی کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس طرح ادب تصوف کو عام فہم بناتا ہے اور تصوف ادب کو معنوی گہرائی عطا کرتا ہے۔ دونوں مل کر انسان کی اندرونی دنیا کو روشن کرتے ہیں اور اسے ظاہری دنیا سے بالاتر ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اردو ادب کی ایک اہم فکری اور فنی روایت بن چکا ہے، جو جدید افسانہ نگاروں کے کام میں بھی مختلف انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اسد محمد خان کے افسانوں میں تصوف کا عنصر ظاہری طور پر صوفیانہ رسوم یا خانقاہی روایات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک گہرے مذہبی اور باطنی تجربے کی صورت میں موجود ہے۔ وہ مذہب کے نام پر منافقت اور استحصال کے سخت مخالف ہیں، مگر ان کے تخلیقی وجود میں ایک متصوفانہ رنگ ایسا ہے جو اشفاق احمد، قدرت اللہ شہاب یا ممتاز مفتی کے انداز سے مختلف ہے۔ ان کے افسانوں میں تاریخ، تہذیب، روحانیت اور انسانی فطرت کے عناصر باہم آمیز ہو کر ایک ایسی معنوی گہرائی پیدا کرتے ہیں جو قاری کو ظاہری حقیقت سے آگے باطنی بصیرت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس طرح ان کے کردار اکثر ظاہری مصائب کے باوجود ایک اندرونی سکون یا روحانی جستجو کی طرف مائل نظر آتے ہیں، جو تصوف کے بنیادی روحانی اقدار کی عکاسی کرتا ہے۔

اسد محمد خان کے مجموعے "کھڑکی بھر آسمان" کے منتخب افسانوں میں تصوف کے عناصر نمایاں طور پر جھلکتے ہیں، خصوصاً اس کے ابتدائی افسانے "یوم کپور" میں جو صوفیانہ رنگوں سے معمور ہے۔ یہودی تہوار یوم کپور کو یہاں محض گناہوں کی معافی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ تصوف کے تناظر میں نفس کی موت اور روح کی حیات کا استعارہ بنا دیا گیا ہے، جہاں انسان اپنے وجود کے کثیف پردے اتار کر وحدتِ وجود کے آئینے میں اپنے حقیقی عکس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ افسانے کا پٹھان راوی، جو بنی اسرائیل سے ہجرت کر کے ہندوستان پہنچا، درحقیقت ایک صوفی مسافر کی مانند ہے جس کی یہ نقل مکانی ظاہری وطن سے باطنی اور حقیقی وطن کی جانب سفر کی علامت بنتی ہے۔ "کھڑکی بھر آسمان" اسی اندرونی کشمکش کا مظہر ہے جہاں سردار کوئی اکرم کی رسالت کا پیغام اسے نئی روحانی ولایت سے روشناس کراتا ہے اور

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

یوم کپور اس کے لیے صرف معافی کا موقع نہیں رہتا بلکہ فنا فی اللہ کا وہ لمحہ بن جاتا ہے جب وہ اپنی قوم کی اجتماعی توبہ کو ذاتی تجلی میں تبدیل ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

> "پھر ایک قاصد فرخندہ فال نے ہموار زمینوں اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ صدق کا سورج طلوع کی منزل میں آگیا ہے۔ سو ہم نے گینڈے کی سی گردن والے اپنے سردار الف خان سے پکار کر کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ا! او بے پیر، ٹیلے سے نیچے اتر آ اور اپنے تیغے کو زمی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ن لے کہ قبیلہ قریش تو آج سب قبیلوں پر سبقت لے گیا۔ خدائے موسیٰ کی قسم اس آسماں شکوہ ہاشم خیل میں ت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ے سرور نے ظہور کیا۔ او الف خانا! کعبتہ اللہ کی طرف منھ کر لے کہ سورج کی سی پیشانیوں والے آج ابراہیم کے گھر کی سمت مڑ گئے۔"(۱)

اسلامی تہذیب کے اس سنگم پر یہ افسانہ تصوف کے بنیادی اصول کو سامنے لاتا ہے کہ ہر ظاہری شریعت کے پسِ پشت ایک باطنی حقیقت پوشیدہ رہتی ہے۔ راوی کا قبیلہ اپنی شناخت بنی اسرائیل سے جوڑتا ہے مگر ہندوستان کی مٹی پر ایک نئی نسبت استوار کرتا ہے، جہاں سردار کی رسالت اسے یہ سکھاتی ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر صرف زبان کا ورد نہیں بلکہ دل کی مسلسل ہجرت ہے۔ یوم کپور اس پس منظر میں محو اور اثبات کی صوفیانہ منزل بن جاتا ہے، جہاں جماعت میں بیٹھے یہودی دراصل ایک ہی نور کے پارے ہیں اور ان کی اجتماعی دعا وہی سماع بن جاتی ہے جو عشقِ حقیقی کی محفل میں گونجتی ہے۔ اسد محمد خان یوں ایک مذہبی رسم کو عالمگیر روحانی نمونہ بنا دیتے ہیں، جہاں ہجرت، رسالت اور معافی سب ایک ہی حقیقت کے نام ہیں اور وہ حقیقت قلبِ سلیم کی تلاش ہے جو ہر تہذیب کے آسمان میں ستارے کی مانند جگمگاتی ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

افسانے میں یہ قبیلہ جو ظاہری ہجرت کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر اترا، تصوف کی نظر میں ایک روحانی ہجرت کا مجسمہ بن گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اسلام کی ندا کو صرف کانوں سے نہیں بلکہ دل کے سماع سے سنا اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کو عشقِ حقیقی کی لڑی میں پرو لیا۔ تصوف کا کمال یہی ہے کہ یہ وابستگی جذباتی سطح پر نہیں ٹھہرتی بلکہ وحدتِ الٰہی کے اس ادراک میں ڈھل جاتی ہے جہاں ہر روایت ایک ہی منبعِ نور کی کرن بن جاتی ہے۔ اسی لیے اس قبیلے نے ہندوستان کے تہواروں کو اجنبی نہ جانا بلکہ انہیں اپنے صوفیانہ مشرب کا حصہ بنا لیا، کیونکہ تصوف میں رنگ، رسم اور علاقہ سب فنا ہو جاتے ہیں اور باقی رہ جاتا ہے صرف محبوبِ حقیقی کا جلوہ جو ہر ثقافت کی آڑ میں نمایاں ہوتا ہے۔

افسانے کا وہ مقام جہاں سردار کا بیٹا دوست خان مغل سلطنت میں داخل ہوا اور وہاں رکھشا بندھن کا تہوار دیکھا، تصوف کی ایک گہری علامت بن کر ابھرتا ہے۔ یہاں دوست خان فاتح نہیں بلکہ ایک صوفی مسافر ہے جو مالوے کی رانی کملاپتی کے ہاتھوں راکھی باندھے جانے کو روحانی بندھن میں بدل دیتا ہے۔ راکھی جو ظاہر میں بہن بھائی کے رشتے کی علامت ہے، تصوف میں بیعت اور عہدِ الست کا استعارہ بن جاتی ہے، جہاں رانی اس سے حفاظت نہیں بلکہ عقیدت مانگتی ہے اور دوست خان اسے ایسی فتح سمجھتا ہے جو تلوار سے نہیں بلکہ محبت کے دھاگے سے ملتی ہے۔ یوں ہندوستان کی یہ رسم جو بظاہر غیر اسلامی دکھائی دیتی ہے، تصوف کے آئینے میں وحدتِ ادیان کا روشن پہلو بن کر سامنے آتی ہے، جہاں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا جذبہ کسی بھی سرزمین کی مقامی ثقافت کو مسترد نہیں کرتا بلکہ اسے اپنے عشق میں رنگ کر نیا روحانی افق عطا کرتا ہے۔

"اور رانی کملاپتی نے ستی ہونے سے ایک ساعت قبل
شکر گزاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کلائی پر راکھی کا طلائی دھاگا باندھ
دیا اور اپنے نو عمر کنور کو جو اسی جنگ میں یتیم ہوا تھا،
خ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنے لشکر کی فتح کا شکھ سنتی ہوئی سات
داسیوں۔۔۔۔۔کے ہمراہ محل کی ان سیڑھیوں۔۔۔۔۔۔۔۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

اور جل پو جا کرتی کٹورا سے تال میں اترتی چلی گئی اور ستی
کہلائی۔"(۲)

اس مجموعے کا دوسرا افسانہ "باسودے کی مریم" اسد محمد خان کا سب سے مقبول اور یادگار افسانہ ہے، مگر یہ محض ایک بوڑھی خادمہ کی کہانی نہیں بلکہ تصوف کے اسرار میں ڈوبی ہوئی ایک روحانی تمثیل ہے۔ مریم کو نہ قرآن پڑھنا آتا تھا اور نہ نماز کے ظاہری آداب کا علم تھا۔ ظاہری علم سے خالی اس کا دل عشقِ نبوی سے لبریز تھا۔ وہ مکہ اور مدینہ کو ایک ہی شہر سمجھتی تھی کیونکہ عارف کی نظر میں حرم اور مسجدِ نبوی کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہتا، دونوں ایک ہی نور کے دو رخ ہیں۔

اس کا باسودے (ایک دور افتادہ گاؤں) سے لگاؤ دراصل وابستگیٔ مجاز کی علامت ہے، جہاں اس کا بیٹا مدو رہتا تھا۔ تصوف کی نظر میں بیٹا بھی ایک حجاب بن سکتا ہے، اسی لیے جب وہ بیمار پڑا اور مریم نے اپنا سارا مکہ مدینہ کا جمع کردہ خرچ اس پر لگا دیا تو یہ اس کے نفس کی پہلی موت تھی۔ مدو کی وفات نے مریم کو ہلا کر رکھ دیا، مگر اسی صدمے میں وہ فنا کے پہلے مرحلے سے گزر گئی۔ پھر اس نے دوبارہ پیسے جمع کرنے شروع کیے، مگر اب اس کا سفر ظاہری حج نہیں بلکہ باطنی حج کا ارادہ تھا۔ وہ جانے سے پہلے ہی فنا ہو گئی اور اسی فنا میں اسے وصل کا راز نصیب ہوا۔ یہ افسانہ بتاتا ہے کہ تصوف میں منزلِ مقصود قدم اٹھانے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ دل کعبہ بن چکا ہو اور نفس مدینہ کی خاک میں دفن ہو چکا ہو۔

مریم میوات کی رہنے والی تھی، نہ پڑھی لکھی تھی اور نہ کبھی مدرسے کی دہلیز تک گئی تھی۔ مذہب کو اس نے کتابوں سے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں اور اپنی چوکھٹ سے دیکھا تھا۔ کلمۂ طیبہ بھی وہ اپنی ہی آواز میں پڑھتی جس طرح اس کا دل کہتا، حروف تو بکھرے ہوتے مگر نیت ایسی پختہ کہ فرشتے حساب لکھتے ہوئے رک جاتے۔ یہ اس کا کفر نہیں بلکہ اس کا عشق تھا، ایک ایسا عشق جو حدود سے ماورا ہو جاتا ہے۔ وہ مکہ اور مدینہ کو ایک ہی شہر سمجھتی تھی۔ اس کی نظر میں دونوں جگہیں ایک ہی نور کا دوسرا نام تھیں۔ تصوف میں اسے وحدت کہتے ہیں مگر مریم نے یہ لفظ کبھی نہیں سنا تھا، وہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

تو بس اسی طرح جیتی تھی۔ باسودے سے اس کا ناتا صرف ایک بیٹے کا نہیں بلکہ اس کی ساری جڑیں وہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جب اس کا بیٹا بیمار ہوا اور اس نے اپنے مکہ مدینے کے لیے جمع کیے ہوئے پیسے اس پر لگا دیے تو وہ روئی نہیں۔ مریم کی سادگی اس کا عیب نہیں بلکہ اس کا کمال تھی۔ وہ ایک ایسی صوفی تھی جس نے کبھی تصوف کا نام نہیں سنا مگر ساری زندگی تصوف جی کر گزاری۔

> " مریم سیدھی سادی میواتن تھیں۔ میری خالہ سے مرتے دم تک
> صرف اس لیے خفا رہیں کہ عقیقے پر ان کا نام فاطمہ رکھ دیا گیا تھا۔
> "ری ولحین ابی بی بھاطمہ۔۔۔، دنیا آکھرت کی باچھا تھیں۔ ہم دو جج
> کے کندھے بھلا ان کی بروبری کریں گے۔"(۳)

محرم کا مہینہ جب آتا تو مریم پورے گاؤں میں سب سے آگے ہوتی۔ اسے مجالس کے الفاظ نہیں آتے تھے اور نہ روضے کے ظاہری آداب کا علم تھا، مگر جب وہ ماتم کرتی تو ایسا لگتا جیسے خود کربلا کی مٹی اس کے آنسوؤں سے گیلی ہو رہی ہو۔ تصوف میں یہی اصل بات ہے کہ ہر درد کو اپنا درد بنا لیا جائے اور ہر مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ لیا جائے۔ مریم کو امامِ عالی مقام کی شہادت کی تاریخ یاد نہیں تھی اور نہ نسب نامے ازبر تھے، مگر حسینؑ سے اس کا رشتہ خون سے کہیں زیادہ گہرا تھا یہ رشتۂ درد تھا، رشتۂ محرومی تھا اور رشتۂ بے زبانی تھا۔

> "محرم میں نویں دسویں کی درمیانی شب وہ خشوع و خضوع سے
> تعزیے،، خوب خوب پاپڑ، پکوڑے کھاتیں کھلاتیں اور دسویں کی
> صبح ہی ۔۔۔ کر دن بھر شہادت نامہ سنتیں یا کلمہ طیبہ کا ورد کرتیں،
> اور خدا مغفرت کرے، کلمہ بھی جس طرح چاہتیں پڑھتیں: "لا الا
> باال للانبی جی رسول الا-جو رجی رسول الا۔"(۴)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

مئی دادا کا کردار، جو مریم کی ہم شکل ہے، دراصل شناخت کے اس الجھاؤ کی علامت بنتا ہے جو ایک مسلمان خادمہ اپنے گھرانے میں محسوس کرتی ہے۔ یہ وہی کشمکش ہے جو صوفیاء کے نزدیک نفس اور روح کے درمیان دوئی کو ظاہر کرتی ہے۔ تصوف کی روایت میں خادمہ کا مقام صرف ایک ملازمہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ فنافی الخدمت کا ایک بلند مرتبہ اختیار کر لیتا ہے، جہاں اپنی ذات کو مٹا کر دوسروں کی خدمت میں لگ جانا عین عبادت اور محبوبِ حقیقی کی رضا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ کردار ہند اسلامی تہذیب کی اس منفرد آمیزش کا آئینہ ہے جہاں مقامی روایات اور اسلامی اقدار باہم مل کر ایک ایسی خدمتی ثقافت پیدا کرتی ہیں جو درویشوں کی قلندرانہ بے نیازی اور خانقاہی خدمت کا امتزاج ہے۔ مئی دادا اپنی روزمرہ کی محنت اور بے لوثی کے ذریعے مسلم قوم کی خدمت کرتی ہیں مگر یہ خدمت ان کے لیے محض ایک معمول نہیں بلکہ روحانی تزکیہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جس طرح صوفیاء اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں اپنی خواہشات کو موت دیتے ہیں، اسی طرح وہ اپنی شناخت کے اس بحران کو ایک دروازہ پاتی ہیں جو انہیں وحدت الوجود کے اس مقام تک لے جاتا ہے جہاں خدمت گزار اور خدمت پذیر میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور ہر عمل اس ذاتِ احدیت کا عکس بن جاتا ہے جو تمام انسانوں میں جلوہ گر ہے۔

"وہ کوئی بھی تھے؛ تمھیں بس ایک بات۔۔۔ کہ تم اپنے دادوں پر
دادوں کی ۔۔۔ جاؤ۔ سمجھے! جاؤ اب کھیلو۔" پھر وہ جاتے جاتے تھے
سے پلٹ پڑے، "اور سنو، کون خبیث کہتا ہے وہ مسلمان نہیں تھے
؟ کون کہتا ہے پٹھان نہیں تھے؟"(۵)

افسانہ ترلوچن کو محض ایک کہانی سمجھنا غلطی ہو گی، یہ دراصل ہندو اور اسلامی روحانیت کے سنگم کی ایک تمثیل ہے۔ اس کا ہیرو عین الحق دونوں روایات کی خوبصورت جھلک پیش کرتا ہے۔ اس کے ماتھے پر تین آنکھوں کا تصور، ہندو مذہب میں شیو کی علامت کے ساتھ ساتھ، اسلامی تصوف کے تین زینوں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ دائیں آنکھ شریعت کے اجالے کو، بائیں آنکھ طریقت کی نرمی کو اور درمیان والی آنکھ حقیقت کی اس چنگاری کو ظاہر کرتی ہے جو

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

جھوٹ کو جلا دیتی ہے۔ یوں وہ دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے لیے ایک ہی روحانی مسافر دکھائی دیتا ہے، جو یہ پیغام دیتا ہے کہ بلند مقام پر پہنچ کر فرقوں کی دیواریں گر جاتی ہیں اور صرف ایک روشنی بچتی ہے۔

عین الحق کی طبیعت میں انسان دوستی اور مافوق الفطرت طاقت کا عجیب سنگم نظر آتا ہے۔ ایک جانب وہ لوگوں کی تکلیفوں سے بے حد متاثر ہوتا ہے اور ان کے غم، بیماریوں اور پریشانیوں کو ایک رجسٹر میں لکھتا جاتا ہے تاکہ کوئی درد اس سے چھپا نہ رہے۔ یہ عمل تصوف کے بنیادی سبق یعنی مخلوق کی خدمت کا آئینہ دار ہے۔ دوسری جانب اس کے حل عام انسانی دائرے سے باہر ہیں، جیسے زخمی بلی کو نئی جلد عطا کرنا، سوکھے درخت کو نئی زندگی دینا، بیمار عورت کو شفا دینا اور تنہا نوجوان کے لیے رشتہ جوڑنا۔ یہ اس کیفیت کی جانب اشارہ ہے جہاں انسان اپنی ہستی مٹا کر خدائی صفات کا عکس بن جاتا ہے اور اس کے لیے ساری مشکلیں محض ایک فہرست کے برابر رہ جاتی ہیں۔

کہانی کا عروج اس لمحے پر آتا ہے جب ایک شب عین الحق کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا صندوق کھل چکا ہے اور اس کی وہ قیمتی فہرست غائب ہو چکی ہے۔ بظاہر یہ چوری کا واقعہ ہے، مگر صوفیانہ نقطہ نظر سے یہ اپنی تدبیروں سے دستبردار ہونے کا درس ہے۔ جب انسان اپنی منصوبہ بندیوں کو ترک کر کے خود کو مکمل طور پر مالک کے حوالے کر دیتا ہے تو اسے کسی فہرست کی حاجت نہیں رہتی۔ اسی لیے وہ اپنی تیسری آنکھ وا کر کے تینوں عالموں، یعنی اس دنیا، اگلی دنیا اور دیوتاؤں کی دنیا کو خاکستر کر دیتا ہے۔ یہ اس مقام کی تصویر ہے جہاں سالک سب کچھ فنا کر کے صرف ذاتِ الٰہی کو باقی پاتا ہے۔ اسی مقام پر وحدت الوجود کا فلسفہ مکمل ہوتا ہے، جہاں ہندو مسلم، زندگی موت، انسان اور خدا سب ایک ہی سچائی میں مدغم ہو جاتے ہیں اور حقیقی آزادی اسی فہرست کے مٹ جانے میں ہے۔

> "اس کے بعد عین الحق نے غضب ہی کر دیا۔ وہ پورے قامت سے
> تن کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ وہ پابندی سے نماز کے گئے والی جگہ پر چپکا
> لیا کرتا تھا۔ پھر اس نے سر جھکایا، زمین کی طرف دیکھا اور تمام و

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

کمال قہاری میں اپنی تیسری آنکھ کھول دی اور تینوں لوک جلا کر
خاک کر دیے"(٦)

اسد محمد خان کی تخلیقی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو وہ ہندو اسلامی تصوف کی ایک زندہ تصویر معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ہاں دو الگ الگ راستے نظر آتے ہیں، مگر دونوں کی منزل ایک ہے۔ پہلا راستہ کردار نگاری کا ہے، جس میں وہ انسان کے باطن کو کھول کر سامنے لاتے ہیں۔ دوسرا راستہ تاریخی فضا کا ہے، جس میں وہ گزرے ہوئے زمانوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری خود کو اسی دور میں محسوس کرتا ہے۔ ان دونوں راستوں سے وہ اسی ایک مرکز تک پہنچتے ہیں جو محبت، رواداری اور انسانیت کے مشترکہ شعور پر مشتمل ہے۔ یہ شعور کوئی نیا نظریہ نہیں بلکہ صدیوں سے اس دھرتی کے مزاج میں شامل ہے۔ اسد اسی قدیم روایت کو اپنے افسانوں میں نئے رنگ سے اجاگر کرتے ہیں۔

ان کے افسانے محض دل بہلانے کی کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ ایک روحانی دستاویز کی صورت رکھتے ہیں۔ وہ قاری کو یہ سمجھاتے ہیں کہ تصوف کسی مخصوص فرقے یا نظریے کی قید نہیں ہے۔ یہ ایک زندہ اور مسلسل تجربہ ہے جو انسان کو اس کے نفس کے اندھیرے سے نکال کر عشق و محبت کے اجالے میں لے جاتا ہے۔ اسد کے نزدیک حقیقی کامیابی کا پیمانہ شہرت یا دولت نہیں ہے۔ حقیقی کامیابی وہ ہے جو دوسروں کے دلوں میں اتر جائے اور حقیقی بادشاہی وہ ہے جو لوگوں کی دعاؤں میں جگہ پائے۔ ان کے افسانوں میں یہی فکر بار بار ابھرتی ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک سچی تہذیب وہی ہے جو اپنے اندر تمام مذاہب، خیالات اور نظریات کو سمیٹنے کی وسعت رکھتی ہو۔ یہی تصوف کا وہ لازوال نور ہے جو اسد محمد خان کے قلم سے پھوٹ کر ان کے ہر افسانے کو منور کرتا رہتا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

JANUARY- MARCH, Volume No: **01 Issue** No: **04 (2024)**

حوالہ جات؛

۱۔اسد محمد خان، کھڑکی بھر آسمان،لاہور:القاپبلی کیشنز،۲۰۱۵،ص۶

۲۔ایضاً،۸

۳۔ایضاً،ص۱۲

۴۔ایضاً،ص۱۲

۵۔ایضاً،ص۳۲